یاد رفتگان

قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری رحمہ اللہ

ایک نامور ادیب اور عظیم مؤرخ

تحریر جناب حافظ مقصود احمد اسلام آباد

جماعت میں جب کسی شخصیت کی وفات کی اطلاع ملتی تو سب سے پہلے جو دل تڑپتا اور جو قلم حرکت میں آتا وہ حضرت قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری رحمہ اللہ کا قلم ہوتا تھا جنہوں نے معاصر شخصیات پہ اتنا لکھا کہ کسی اور کے بس کی بات نہیں ماہنامہ "تعلیم الاسلام" میں "یادرفتگان" کا مستقل کالم تحریر فرماتے ماموں کانجن کی سالانہ کانفرنس میں سال بھر میں فوت ہونے والی شخصیت پر تعزیتی قرار داد پاس کرواتے۔ رب کائنات کی قدرت کا رنگ دیکھئے آج وہ خود یادرفتگان کا حصہ اور تعزیتی قراردادوں کا موضوع بن چکے ہیں۔ قاضی صاحب کی شخصیت کیا تھی وہ عمل پیہم اور جہد مسلسل کی تصویر، حق گوئی و بیباکی میں اپنی مثال آپ۔ انتہا درجے کے سادہ، تکلفات سے ناآشنا، علم و ادب کے شیدا، تاریخ کے دلدادہ، تصنیف و تالیف کے ماہر مطالعہ کے شوقین، ملکی سیاسیات میں ژرف نگاہ، جماعتی و دینی ذمہ داریوں میں سرگرداں، دینی و ملی غیرت سے سرشار، دوستی میں مخلص و وفادار، محفلوں کی رونق، گرم گفتار و سخن نواز، متواضع النفس اور منکسر المزاج، ارادوں میں پختہ، عزم و ہمت کا پہاڑ، مہمان نواز اور وضع دار تھے۔ اللہ پاک نے انھیں بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو خدمت دین میں خوب کھپایا۔ بڑی بھرپور اور مصروف زندگی بسر کی انہوں نے جو ذمہ داری قبول کی اس کا حق ادا کیا جو عہد کیا اسے نبھایا میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا محنتی جفاکش اور باہمت کوئی نہیں دیکھا ان کے نزدیک دن اور رات یکساں تھے سردی اور گرمی کو کبھی خاطر میں نہ لاتے دور دراز کا بسوں، ریل گاڑیوں، تانگوں اور پیدل سفر کرنے کے باوجود کسی تھکاوٹ کا شکوہ نہ کرتے۔ رات ایک دو بجے تک لکھنا پڑھنا ان کا معمول تھا انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اندرون و بیرون ملک سفر میں رفاقت میسر رہی زندگی بھر تعلق خاطر رہا انہیں ہمیشہ سراپا اخلاص پایا پہلی دفعہ انہیں تقریباً ۱۹۷۲ء میں ماموں کانجن کی سالانہ تقریب کے موقع پر دیکھا۔ حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ امیر المجاہدین و بانی جامعہ تعلیم الاسلام بقید حیات تھے۔ حضرت قاضی صاحب اسٹیج سیکرٹری تھے اور پوری زندگی ماموں کانجن کی سالانہ کانفرنسوں میں یہ فرائض سرانجام دیتے رہے کھدر کی قمیض، سادہ چادر اور عام سی ٹوپی سر پر، علماء کی جھرمٹ، اسٹیج کی گہما گہمی اور رونق میں یہ کون شخص ہے جو عوام و خواص سے متعارف اور اس ذمہ داری کو بڑے اعتماد سے نبھا رہا ہے؟ یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا رہا کچھ عرصہ بعد ضلع ساہیوال میں ایک جلسے میں حاضر ہوا تو اسی شخصیت کو اسی منع

قطع میں اسٹیج پر سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے پایا۔ بعد میں علماء کی مجلس میں ان کی گفتگو سنی جو کہ رونق محفل تھی تو اندازہ ہوا کہ اس سادگی کے روپ میں کوئی قد آور شخصیت ہے ۱۹۷۳ء میں جامعہ تعلیم الاسلام میں طالب علم کی حیثیت سے وارد ہوا حضرت مولانا عبدالقادر ندوی مدظلہ جامعہ کے ناظم اعلیٰ اور قاضی صاحب نشرواشاعت، معاونین جامعہ سے رابطہ اور چندہ کی فراہمی کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔ حضرت صوفی صاحب بڑی حساس طبیعت رکھتے تھے۔ ان کی معیت میں کام کرنا آسان بات نہ تھی۔ قاضی صاحب جس خلوص اور محنت سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے تھے اس بنا پر انہیں صوفی صاحب کا اعتماد حاصل تھا۔ ۱۹۷۵ء میں حضرت صوفی صاحب کی وفات کے بعد مولانا عبدالقادر ندوی صاحب کو مہتمم جامعہ تعلیم الاسلام اور قاضی صاحب کو نظامت کی ذمہ داری سونپی گئی جب تک زندگی نے وفا کی وہ اپنے عہد سے وفا کرتے رہے۔

مستقل مزاجی اور استقامت ان کی زندگی کا طرہ امتیاز تھی۔ وہ حادثات زمانہ کی رو میں بہ جانے والے اور حالات کی ستم ظریفیوں کے سامنے سر ڈالنے والے نہ تھے بلکہ اپنے موقف اور مشن پر گامزن رہنے والے اور مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنے والے انسان تھے۔ جمعیۃ طلبہ اہلحدیث کے بانیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اپنی محنت کی بنا پر اس کے پہلے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے مرکزی جمعیت اہلحدیث سے وابستہ ہوئے تو زندگی بھر وابستگی قائم رہی جماعت کے لیے بے پناہ دوڑ دھوپ اور محنت کی بہت کچھ لکھا جس کی وجہ سے جماعت کے اکابرین میں ان کا شمار رہا مگر کسی عہدہ و منصب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کبھی کوشش نہیں کی اخلاق کا یہ عالم تھا کہ دوست و احباب کے دکھ سکھ میں شریک رہتے۔ اگر کسی نے کوئی کام کہہ دیا یا کسی دوست نے قرض مانگ لیا تو انکار نہ کر سکتے۔ عرصہ دراز گزر جانے کے بعد بھی قرض کی واپسی کا تقاضا کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ کئی دوست ایسے ہیں جن سے رقم واپس مانگنے کی جرات نہیں کر سکتا جامعہ کے متعلقین اور معاونین سے سال بھر رابطہ رکھتے جامعہ کے بجٹ کا زیادہ تر انحصار اندرون ملک لوگوں کے تعاون پر تھا۔ ملک بھر میں لوگوں سے رابطہ اور چندہ کی فراہمی ان کے ذمے تھی جسے وہ احسن طریق سے پورا کرتے رہے جامعہ کے تعاون کے سلسلے میں دور دراز کے علاقوں اور دیہاتوں تک خود پہنچتے۔ سفر ان کی زندگی کا لازمہ تھا۔ پوری زندگی سادگی سے سفر کیا۔ ان کی زندگی کا لازمہ تھا پوری زندگی سادگی سے سفر کیا۔ ۱۹۹۱ء میں جامعہ کے لیے گاڑی خریدی گئی۔ اس سے پہلے تو وہ گاڑی خریدنے کے حق میں بھی نہیں تھے۔ ان کا سفر ٹرین میں سیکنڈ کلاس اور عام بسوں پر ہوتا تھا دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تاکہ جامعہ کے اخراجات کو ممکن حد تک کم رکھا جائے۔ دوران سفر مطالعہ کے لیے کتب، مجلات اور ڈائجسٹ وغیرہ ہمراہ رکھتے اور مصروف مطالعہ رہتے۔ جہاں قیام کا موقع ملا وہاں لکھنا شروع کر دیا وہ کہا کرتے تھے کہ ایک صفحہ لکھنے کے لیے سو صفحات کا مطالعہ کرنا چاہیے اردو ادب اور تاریخ کی کتابیں اکثر ان کے مطالعہ میں رہتیں علاوہ ازیں دینی و سیاسی مجلات کا بھی باستیعاب مطالعہ کرتے، مسلک اہلحدیث کے علاوہ دیگر مسالک کے رسالوں اور کتب کا بھی مطالعہ رکھتے۔ قابل اعتراض مضامین کا جائزہ لینے اور محاکمہ کرنے کے لئے انکا قلم ہمہ وقت تیار رہتا ان کی تحریر میں تحقیق و جستجو، ادب و

ظرافت اور جوش و خروش کا اخراج ہوتا تھا۔ ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے انھیں نوجوان تصور کرتے تھے۔
مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے سیکرٹری مترجم جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی جو اصلاً ہندوستانی اور سعودی نیشنلٹی رکھتے ہیں سے ملاقات ہوئی تو ہو کہنے لگے کہ میں قاضی صاحب کو ان کی اردو تحریروں کے حوالے سے جانتا ہوں اور میرا گمان تھا کہ وہ نوجوان ہوں گے اور یہی تاثرات ہندوستان کے دیگر اھل علم کے تھے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کے مضامین بیرون ملک بھی اردو دان طبقے میں بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔
رجال و شخصیات ان کا دلچسپ مضمون تھا اکابر کی تاریخ لکھتے وقت ان کے قلم کی روانی پورے عروج پر ہوتی تھی۔ یقیناً تاریخ اہلحدیث کے حفظ و ضبط اور اظہار و بیان میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا آج کل وہ تاریخ اہلحدیث قلمبند کرنے میں مصروف تھے وہ اس عزم کا اظہار کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے اکابر کی تاریخ کے تمام پہلوؤں پر لکھ جاؤں نامعلوم میرے بعد کوئی اس طرف توجہ دے یا نہ دے، تاہم ان کی آخری تصنیف "تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں" جو ۶۷۲ صفحات پر مشتمل ہے ان کی وسعت مطالعہ کی تصویر اور تحقیق و جستجو کی آئینہ دار ہے۔ یہ کتاب جماعت اہلحدیث کے لئے سرمایہ افتخار کی حیثیت رکھتی ہے جو آئندہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا مصدر و ماخذ ہوگی میں امیر محترم پروفیسر ساجد میر او ناظم اعلیٰ محترم میاں محمد جمیل حفظھما اللہ سے گزارش کروں گا کہ وہ اس کتاب کی اشاعت مزید کے لیے جماعتی سطح پر انتظام فرمائیں۔ یہ کتاب ہندستان کے اھل علم طبقے میں پہنچتی تو وہاں بہت مقبول ہوتی۔
آخری ملاقات میں قاضی صاحب ذکر کر رہے تھے کہ ہندوستان کے دوستوں نے کہا ہے کہ ہم اپنے ہاں اس کتاب کو طبع کروانا چاہتے ہیں۔ زندگی میں قاضی صاحب ذاتی اخراجات پر اپنی تصنیفات طبع کرواتے رہے اب جماعت اور اداروں کی ذمہ داری ہے کہ ان کے چھوڑے ہوئے سرمائے کو محفوظ رکھیں۔ دیگر بے پناہ مصروفیات اور پے در پے سفر کے باوجود انہوں نے قابل ذکر مصنفات کا ذخیرہ چھوڑا ہے استحضار کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی مجلس میں علمائے اہلحدیث کی خدمات کے موضوع پر انہیں دعوت سخن دی جاتی تو بڑی روانی اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ انتہائی مربوط اور مدلل گفتگو کرتے سعودی عرب کے دارالخلافہ ریاض میں جناب عبدالمالک مجاہد صاحب ایسی مجالس کا اہتمام کرتے قاضی صاحب مائیک پر تشریف لاتے تو معلومات کا دریا امڈ آتا اور عوام و خواص یکساں طور پر ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے یہ سب کچھ خداداد صلاحیت اور اکابر سے محبت کا نتیجہ تھا اکابر کا احترام جو ان کی غیرت و حمیت میں رچ بس چکا تھا جس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ آغا شورش کاشمیری مرحوم کا بے حد احترام کرتے تھے جس کی ایک بڑی وجہ ان کا احراری ہونا تھا آغا شوش کاشمیری کی تصنیف "مولانا ابو الکلام آزاد" جب منظر عام پر آئی جس میں ایک جگہ انہوں نے مولانا محمد علی قصوری کو ہدف تنقید بنایا تو قاضی صاحب کئی روز تک مضطرب و بے چین رہے صبر کریں تو کیسے کریں؟ اگر جواب لکھیں تو سامنے آغا شورش کاشمیری ہیں اور کتاب بھی ان کی وفات کے کئی سال بعد چھپی تھی بالآخر انہوں نے محاکمہ کیا اور تاریخی حقائق کے پس منظر میں مولانا محمد علی قصوریؒ کا دفاع کیا ان کا محاکمہ اتنا سخت تھا کہ ان کے کئی احراری دوستوں نے شکوہ کیا کہ مگر انہوں نے کہا کہ میری حمیت نے گوارہ نہیں کیا کہ میں

خاموش رہوں۔

مضمون نویسی میں ان کی عادت یہ تھی کہ بہت تیز لکھتے تھے بعض دفعہ ان کی تحریر پڑھنا مشکل ہوجاتا تھا البتہ ادب وبیان کے اصولوں کو مدنظر رکھتے اور لکھنے کے بعد تصحیح ضرور کرتے۔ آخری عمر میں خود لکھنے کی بجائے زیادہ تر طلبہ کو املاء کرواتے ان کی تصنیف کا کام بہت تنوع تھا۔ مجلات میں مضامین لکھ رہے ہیں ماہنامہ تعلیم اسلام جس کا نصف حصہ تقریباً ان کے رشحات قلم پر مشتمل ہوتا تھا۔ کا مواد تیار کر رہے ہیں ساتھ ساتھ کتابوں کی تصنیف بھی جاری ہے۔ اس لئے لکھنے والے معاونین بھی تین چار ہوتے تھے اس کے باوجود سب ہمت ہار جاتے اور لکھنے سے معذرت چاہتے مگر ان کے فکر وخیال کا سمندر موجیں مارتا رہتا شروع میں ان کے قلم کی نگارشات ہفت روزوں اور ماہناموں کے صفحات کی زینت بننے تک محدود تھیں، باقاعدہ کتب کی تصنیف کا سلسلہ شروع نہیں کیا تھا۔ ۱۹۸۷ء میں ایک مجلس میں میاں محمد جمیل صاحب اس وقت مرکزی سیکرٹری نشرواشاعت تھے نے ایک معروف شخصیت کے متعلق کہا جس نے رسائل وجرائد میں بہت کچھ لکھا کہ ان کی زندگی بھر کی محنت متفرق اوراق میں بکھری ہوئی ہے پھر حمایت ومخالفت میں لکھے گئے وقتی مضامین کچھ عرصے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہی حال قاضی صاحب کا ہے اسی سال قاضی صاحب پہلی مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے تھے۔ حرمین شریفین میں ایرانی حاجیوں کی گستاخانہ اور معاندانہ کاروائیوں کا مشاہد کیا تو وہاں ہی ارادہ کرلیا کہ پاکستان لوٹ کر ان کی خبرلیں گے پھر چند دنوں میں " حرمین شریفین کے خلاف خمینی کے خطرناک عزائم " کے نام سے کتاب لکھ کر طبع کروائی، راقم الحروف نے اصرار کیا کہ آپ مضامین چھوڑ کر مستقل تصنیف کریں " مشاجرات صحابہؓ پر ایک نظر" کے علاوہ انکی تمام تر تصنیفات ۱۹۸۶ کے بعد کی ہیں اس قلیل عرصے میں سکول کی ملازمت کی ذمہ داریاں شوگر کے موذی مرض مختلف جرائد میں سلسلہ مضامین مجلہ تعلیم الاسلام کی ایڈیٹری اور دیگر مصروفیتوں کے بے پناہ ہجوم میں نصف درجن سے زائد ضخیم اور تاریخی کتب تصنیف کرنا یہ اللہ رب العزت کا خاص فضل وکرم تھا۔ یہ انکی ذرہ نوازی سمجھتا ہوں کہ " عظمت صحابہؓ قرآن حکیم کی روشنی میں " اور "علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک عہد ایک تحریک " کا پیش لفظ لکھنے کے لئے راقم الحروف جو ایک گمنام مدرس کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا بمصداق " من آنم کہ من دانم " کچھ دن پہلو تہی کرتا رہا پھر بالآخر لکھنا پڑا۔

دیگر خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ذرخیز ذہن اور مضبوط حافظہ رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی، معاملات میں چھوٹی بڑی سب چیزیں یاد رکھتے تھے حساب وکتاب میں بہت حساس تھے۔ وعدوں کی پاسداری کرتے۔ بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود نسیان کی شکایت نہیں ہوئی حافظہ آخر وقت تک ساتھ دیتا رہا۔ تیمارداری کے لیے ماموں کانجن انکے پاس حاضری دی نو دن بھر مختلف موضوعات پر گفتگو میں وہی عزم وحوصلہ اور طنطنہ تھا جو ان کی درویشانہ اور قلندرانہ زندگی کا ہمیشہ جزو لاینفک رہا رسائل وجرائد کا بدستور مطالعہ کرتے رہے وفات سے کچھ دن قبل خود مطالعہ نہ کرپاتے تو اپنے بیٹوں سے سماعت کرتے بی بی سی لندن کی نشریات آخر تک سنتے رہے، بین الاقوامی حالات اور ملکی سیاسیات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے میرے خیال میں ہماری جماعت میں قاضی صاحب

سیاسی امور میں بہت زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے ۔ سیاستدانوں کے نام ان کا شجرہ نسب ، خاندانوں اور ماضی و حال کے کردار سے واقفیت رکھتے تھے ۔

سیاسی حالات کے متعلق ان کی پیش گو یاں اکثر و بیشتر صحیح ثابت ہوتی تھیں شخصیات پر ان کا مطالعہ اور معلومات بہت وسیع تھیں عام لوگوں سے گفتگو کے دوران ان کی برادری اور ہندوستان کے کس ضلع سے مہاجر ہیں یا لوکل ، بتلا دیا کرتے تھے ۔ قاضی صاحب کی ذہانت و فطانت ان کی سادگی میں پوشیدہ تھی انہیں خود نمائی کا شوق ، نہ عہدہ و منصب کا لالچ اور نہ تفاخر و تعلی کی عادت ، بلکہ اھل تفاخر سے نفرت کا اظہار کرتے دوسروں کی صلاحیتوں کا برملا اعتراف اور اظہار کرتے ۔ ذہین طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے اور انہیں غیر نصابی کتابوں کے اضافی مطالعہ اور تحریر و تصنیف کی رغبت دلاتے ۔ جامعہ تعلیم الاسلام کی نظامت کے بعد اس کی خدمت کو زندگی کے ہر کام پر مقدم سمجھتے ، جامعہ کے مقابلہ میں ذاتی کاموں میں دلچسپی نہ ہونے برابر تھی ، بعض اوقات کئی کئی ہفتے چندہ کے سلسلے میں گھر سے دور رہتے اولاد کی محبت ان کے اور جامعہ کی خدمت کے مابین حائل نہ ہو سکتی ، ان کا تعلق چک نمبر ۳۶ گ ب تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد سے تھا ذاتی مکان اور اکثر رشتہ دار بھی وہیں تھے ۔ مگر ۱۹۷۸ء سے ماموںکانجن رہائش اختیار کرلی دو سال قبل انہوں نے ماموںکانجن میں اپنا مکان تعمیر کیا اس کی نگرانی ان کے بڑے بیٹے ریاض قدیر نے کی ۔ مگر خود ایک دفعہ بھی مکان نہیں دیکھا ۔ حالانکہ انکی رہائش سے زیادہ دور نہیں تھا ۔ دنیا کا طمع و لالچ مطلقانہ رکھتے تھے ساری زندگی سادگی اور درویش میں بسر کی ، ذاتی مفاد کی خاطر نہ کسی سے دوستی کی ، نہ کبھی کچھ لکھا ، کھانے پینے اور پہننے میں تکلفات کے قائل نہ تھے ۔ تکلفات کو وقت کا ضیاع سمجھتے وہ درحقیقت بڑی تیزی کے ساتھ اپنی زندگی کی منزلیں طے کر رہے تھے ۔ ان کی تمام تر توجہ محنت و عمل اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے پر بھی جب ان سے کہا جاتا کہ آپ اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں ۔ محنت کم کریں یا سفر سے پرہیز کریں ۔ تو جواب میں کہتے اس زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میں اسے مصروف گزارنا چاہتا ہوں ۔ آگے قبر میں جاکر سونا ہی ہے فی الواقع انہوں نے بڑی بھرپور زندگی بسر کی ۔ حسرتیں اور ارمان اپنے ساتھ لیکر نہیں گئے بلکہ جس کام کا عزم کیا اس پر عمل کرکے دکھایا البتہ آخری عمر میں دو کتابوں کی تکمیل کا جوانہوں نے عزم کیا تھا بیماری اور موت نے انہیں مہلت نہ دی ایک " حضرت صوفی محمد عبداللہؒ کی سوانح " اور دوسری " فتنہ قادیانیت کے استیصال میں اہلحدیث کی مساعی " وہ اس کام کو چند ہفتوں میں سمیٹنا چاہتے تھے مگر بیماری نے سنبھلنے نہیں دیا ۔

قاضی صاحب کی دوستی میں خلوص اور وفاداری پائی جاتی تھی ان کی دوستی اور محبت زیادہ تر پرانے علماء اور بزرگ شخصیتوں سے تھی ماموںکانجن کانفرنس میں بڑے اچھے الفاظ میں علماء کا تعارف کرواتے اسلاف کا تذکرہ کرتے

میں بڑی فیاضی سے کام لیتے جماعتی وابستگی بھی کافی حد تک ان کی دوستی اور دشمنی کا معیار تھی علامہ احسان الٰہی ظہیر" عمر میں ان سے چھوٹے تھے مگر ان کے علمی مقام و مرتبہ اور جماعتی خدمات کی وجہ سے انکا دل سے احترام کرتے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد "ارمغان ظہیر" مرتب کی اور "علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک عہد ایک تحریک" کے نام سے ضخیم کتاب تصنیف کی اور آخر تک ان کی اولاد کے ساتھ مخلصانہ و مشفقانہ روابط رکھے

حضرت مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی سے خلوص و محبت اور عقیدت کا رشتہ تھا تو ان کی اولاد کے ساتھ بھی حسن سلوک عمر بھر نبھایا اور حضرت حافظ صاحب کی رحلت کے بعد "تذکار حافظ عبدالغفور رحمہ اللہ" کے نام سے مستقل کتاب تصنیف کی ان کے تعلقات چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے لیکر بڑے سے بڑے آدمی تک تھے۔ مگر جس سے ملتے اس کی سطح کے مطابق انداز اپنا لیتے طالب علم کے ساتھ طالب علم کے انداز میں اور دیہاتی کے ساتھ دیہاتی کے انداز میں ملتے ان سے ملاقات کرتے ہوئے نہ کوئی اکتاہٹ محسوس کرتا نہ انھیں بڑا سمجھ کر جھجک اور خوف محسوس کرتا۔ البتہ ان کی گفتگو میں ظرافت پائی جاتی تھی جو ان کی تحریر میں بھی نمایاں ہے، ہو سکتا ہے بعض حضرات ان کے اس انداز کو شدت سے تعبیر کرتے ہوں یا تنقید پر محمول کرتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ظرافت ادبی کا ذوق رکھنے والے آدمی کی مجبوری ہے۔ وفات سے تقریباً ایک ہفتہ قبل فیصل آباد ہسپتال میں زیر علاج تھے تو ڈاکٹروں نے ناک کی نالی لگائی جس پر ظریفانہ تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگے " بیگانے پتراں نے نتھ پا دتی اے "اسی طرح سعودی عرب میں ایک عربی عالم نے مزاح کے طور پر پوچھا شیخ آپ کا نام مجموعہ اضداد ہے بیک وقت اسلم بھی اور سیف بھی؟ تو برجستہ جواب دیا " اسلم للا صدقاء والسیف للاعداء " یعنی دوستوں کے لیے صلح جو اور دشمنوں کے لئے تلوار ہوں۔

بظاہر جتنے گرم گفتار نظر آتے تھے دل کے اتنے ہی نرم تھے غصے میں اگر کسی کو سخت سست کہہ لیتے تو کچھ دیر کے بعد اس سے معافی مانگ رہے ہوتے، اختلاف کے بعد صلح میں دیر نہ کرتے۔ دل کی نرمی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جانور ذبح ہوتا دیکھ نہیں سکتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے زندگی میں کبھی کوئی جانور ذبح نہیں کیا۔ طبیعت میں رقت پائی جاتی تھی دوستوں اور بزرگوں میں سے اگر کسی کی وفات کی اطلاع ملتی تو بہت متاثر ہوتے اور آبدیدہ ہو جاتے۔ یادرفتگاں کے عنوان پر ان کی تحریروں کو اگر مرتب کیا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں اور سینکڑوں شخصیتوں کے حالات محفوظ ہو سکتے ہیں تعزیتی مضامین پر ایسے عنوان قائم کرتے جن میں بڑی جامعیت اور جاذبیت ہوتی بعض دفعہ عنوان ہوتا " مجنوں جو چل بسا تو جنگل اداس ہے "اسی طرح " ان کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی " حضرت مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ذبیح کی وفات پر لکھے گئے مفصل مضمون کا عنوان تھا " بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں "۔

آج خود قاضی صاحب سفر زندگی تمام کرنے کے بعد اسلاف کے قافلہ سے جاملے۔ آج وہ قلم جو عظمت تاریخ اسلاف لکھنے میں نہ کبھی تھکا تھا نہ رکا تھا۔ جھکا تھا گر یہ زار و نوحہ کناں ہے کہ اسے تھامنے والانہ رہا علم و دانش کی صفوں میں ماتم بپا ہے کہ ۔۔۔۔ ان کا ہم نشین و ہم جلیس رخصت ہوا۔ محفل ادب و صحافت افسردہ ہے

کہ اسے فروزاں رکھنے والی شمع بجھ گئی

قاضی صاحب نے مختصر زندگی میں جو متنوع قسم کی خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی ان کی وفات حسرت آیات ہمارے لیے بڑی صبر آزما ہے مگر اللہ کی تقدیر و رضا پر ہم راضی ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ رب العزت ان کی قبر کو روشن فرمائے۔ ان کی صفات کو شرف قبولیت سے نوازے اور سیئات معاف فرمائے امام کعبہ معالی الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل کو ان کی وفات کی اطلاع ملی تو بقول محترم قاری حفیظ الرحمن امام صاحب دیر تک دعا فرماتے رہے۔ پھر فون پر اور خط کے ذریعے تعزیت کا پیغام بھیجا حضرت قاضی صاحب کی وصیت کے مطابق ان کو جامعہ تعلیم الاسلام کے متصل قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ بقول علامہ اقبالؒ

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا — نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جنت سے محروم بدنصیب لوگ

۱۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا۔ جس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں وبرائیوں سے محفوظ و امن میں نہ ہو۔ (صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۴۲۲)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس انسان کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں داخل نہیں ہوگا۔ (مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۴۳۳)

۳۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشتہ داروں سے قطع تعلق وبدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ متفق علیہ مشکوۃ ص ۴۱۹)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان جتانے والا۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (النسائی بحوالہ مشکوۃ ص ۴۲۰)

۵۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ پوچھا گیا کس نے انکار کیا؟۔ ارشاد ہوا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی پس اس نے انکار کیا یعنی میری نبوت کو تسلیم نہ کیا

المرسلہ:۔ خادم حسین پردیسی۔ جدہ۔ سعودی عرب)